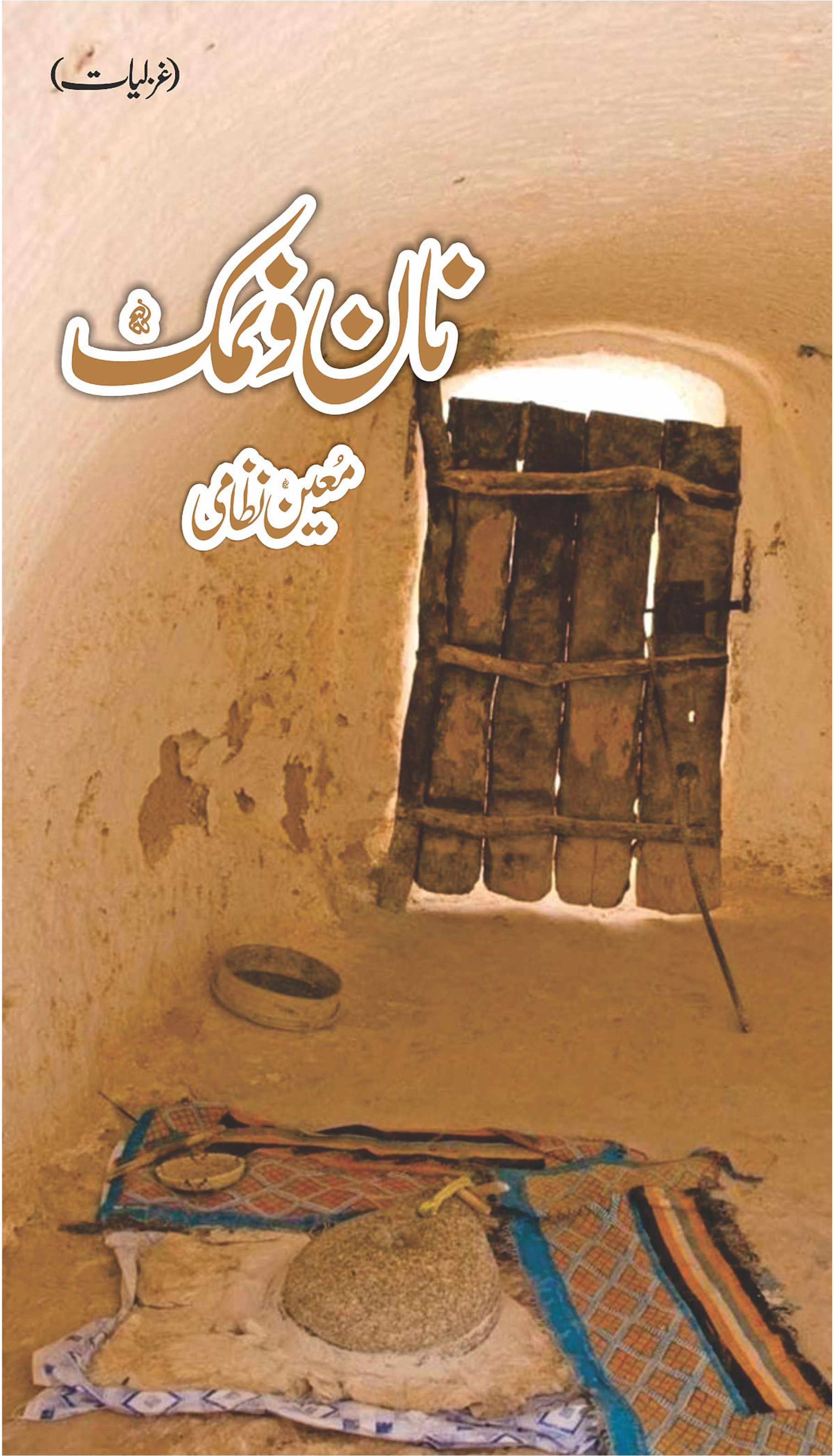
(غزلیات)

نان و نمک

معینؔ نظامی



بسم الله الرحمن الرحیم

نان و نمک

معین نظامی

۸۹۱.۴۳۹۱

م ع ی ن، معین نظامی (پ: یکم فروری ۱۹۶۵ء)
نان ونمک /معین نظامی
نڑالی: مخدومہ امیر جان لائبریری، مارچ ۲۰۲۶ء، اوّل، ۱۲۸صفحات
۱-شاعری-اردو ۲-معین نظامی
۳-غزلیات ۴-پنجاب-لاہور-معظم آباد
ISBN: ۹۷۸-۹۶۹-۹۹۲۸-۴۱-۳

سلسلۂ اشاعت (چھتیس)

NAAN O NAMAK\ −MOEEN NIZAMI,

NARALI: MAKHDUMA AMIR-JAN LIBRARY,MARCH2026,PP128,

SERIES OF PUBLICATION(36)

ISBN: 978-969-9928-41-3

سرورق: سائل نظامی

خطاطی سرورق: صفدر حسین راجا عارف القلم (گوجر خان)

نقشِ اوّل: مارچ ۲۰۲۶ء

ناشر: مخدومہ امیر جان لائبریری، نڑالی/ گوجر خان

بیٹے

محمد قیس

اور ان کے بیٹے

محمد ارحم

کے نام

''اے علی، نمک سے کھانے کا آغاز کیا کیجیے اور اسی پر اختتام''۔
(حدیثِ رسولِ مقبولؐ، عوارف المعارف: کھانے کے آداب میں)

فہرست

نعت ومناقب

غزلیات

دائم دل و نظر پہ نزولِ سکینہ ہے
ادنیٰ سا یہ کمالِ جمالِ مدینہ ہے

پہنچا ہوں ان کے در پہ ندامت بنا ہوا
ماتھے سے کچھ زیادہ ہی دل میں پسینہ ہے

کوئی سلیقہ بوسۂ دہلیزِ نور کا
پلکوں سے چومیے جو ذرا بھی قرینہ ہے

لازم ہے پیروی بھی محبت کے سوز میں
انگشتری ہے عشق، اطاعت نگینہ ہے

وابستہ ہوں مَیں دامنِ آلِ رسول سے
طوفانِ نوح میں یہ وسیلہ، سفینہ ہے

کچھ کر نہیں سکے ہیں، سو ہیں اضطراب میں
بے چارگی کے مرحلۂ پیچ و تاب میں

ہم کیا کریں کہ ہاتھ ہیں کس کر بندھے ہوئے
جینے کو جی رہے ہیں جہانِ خراب میں

دل سر سے پاؤں تک ہیں اذیت بنے ہوئے
ناموسِ مصطفیٰ کے تحفظ کے باب میں

جن کا نسب ہی طے نہیں، وہ سفلہ نسل بھی
گستاخ ہیں حضورِ رسالت مآب میں

اظہارِ رائے کی بھی تو آخر حُدُود ہیں
ورنہ تو ہم بھی حد نہ رکھیں گے جواب میں

یہ اہلِ بغض و کینہ جہالت سرشت ہیں
ان سے کہو کہ جلتے رہو اِس عذاب میں

ان تیرہ طینتوں سے توقع نہیں کوئی
چلتا سنا نہیں ہے سفینہ سراب میں

یہ کور چشم منکرِ ادراکِ نور ہیں
ورنہ تو کون سی ہے کمی آفتاب میں

خود آفتاب ذرّہ ہے اُس خاکِ راہ کا
نعلین سے شرف ہے جسے انتساب میں

وہ کیسے فخرِ کج کُلَہانِ جہاں نہ ہو
نعلین ایک بار بھی چومے جو خواب میں

آغاز و اختتامِ طریقت، دُرود ہے
بس ایک ہی وظیفہ ہے دل کے نصاب میں

عصیاں شعار کیسے لکھے نعتِ مصطفیٰ
ہے جن کی نعت مرکزہ امّ الکتاب میں

یہ شعر ہیں حصولِ شفاعت کے واسطے
محشر میں وہ گنیں مجھے اپنے حساب میں

اک جسم ہے کہ جیسے دل و جانِ زخم ہے
اک سرو ہے کہ جیسے چراغانِ زخم ہے

اک بوسہ گاہِ نور ہے جو سر سے پاؤں تک
میزانِ درد و کرب ہے، ایمانِ زخم ہے

اک حرفِ حق ہے کذب کے نرغے میں اور وہ
میثاقِ تیغ و تیر ہے، پیمانِ زخم ہے

اک پارہ پارہ پھول، صحیفہ کٹا پھٹا
دامانِ دشت میں مرا قرآنِ زخم ہے

صد شکر میری فکر پہ ہے درد کا کرم
صد شکر میرے شعر پہ فیضانِ زخم ہے

مَیں ہوں معینؔ مکتبِ گریہ سے منسلک
پہچان میری میرا دبستانِ زخم ہے

کس منہ سے کروں بیانِ دہلی
آتی نہیں جب زبانِ دہلی

لاہور میں بیٹھ کر لکھیں گے
کس طرح سے داستانِ دہلی

لگتے ہیں ہمیشہ ہم تو خود کو
لاہور میں میہمانِ دہلی

ہم اپنے وطن میں اجنبی ہیں
یاد آتا ہے آشیانِ دہلی

دلّی کا بنا ہے دل یقیناً
سینے میں ہے ترجمانِ دہلی

خُسرو کے سخن سے بھیک لیجے
خُسرو، وہ رموز دانِ دہلی

خُسرو کی نظر سے دیکھ لیجے
کیسے تھے وہ گل رُخانِ دہلی

''پگ بستہ و چیرہ کج نہادہ''
کس آن کے تھے بتانِ دہلی

کچھ میر حسن سے پوچھ لیجے
کیسے تھے وہ مہ وشانِ دہلی

غالب کی نوا سے فیض پائیں
تب ہم بھی لکھیں فغانِ دہلی

کم تر زِ بہار بھی نہیں ہے
اے دیدہ ورو! خزانِ دہلی

قربان ترے نصیب کے مَیں
اے مطلعِ آسمانِ دہلی

ہر ذرّہ ترا ہے رشکِ انجم
اے مقطعِ خاکدانِ دہلی

دہلی ہے ولایتِ معلّی
اور اس میں ہے شہ جہانِ دہلی

وہ والیِ کشورِ حقائق
وہ مُہرِ خطِ امانِ دہلی

ہے ان کے کرم کے زیرِ سایہ
سلطان ہیں پاسبانِ دہلی

دہلی کہ ہے جانِ مُلکِ معنی
اور خواجہ نظام جانِ دہلی

وہ مرکزِ علم و معرفت ہیں
وہ محورِ خواجگانِ دہلی

وہ مظہرِ حسنِ لَم یزل ہیں
وہ شاہدِ کاملانِ دہلی

مقبولِ قلُوبِ دو جہاں ہیں
وہ نازشِ عارفانِ دہلی

برسوں سے مَیں دیکھتا رہا ہوں
جاتا ہوا کاروانِ دہلی

سرمستیِ خاص کے جلو میں
جاتے ہوئے رہروانِ دہلی

محروم ہوں حاضری سے اب تک
دیکھا نہیں بوستانِ دہلی

خوابوں میں تو بارہا گیا ہوں
چوما ہے وہ آستانِ دہلی

ظاہر کی نظر سے بھی خدایا
دیکھوں میں وہ کہکشانِ دہلی

اس خواہشِ بے ریا کی دُھن میں
ہوں آج شکر فشانِ دہلی

نازاں ہوں معینؔ آج خود پر
خوش بخت ہے مدح خوانِ دہلی

درگاہ کی نذر کر رہا ہوں
یہ شعر، یہ ارمغانِ دہلی

اللہ کرے کہ حشر میں بھی
ماتھے پہ رہے نشانِ دہلی

رگ رگ میں سماع ہو وہاں کا
خرقے پہ ہو زعفرانِ دہلی

پہلے نقشے میں ڈر بناتے ہیں
اور پھر اُس میں گھر بناتے ہیں

میرا بقچہ اٹھا کے لایئے گا
زائچے میں سفر بناتے ہیں

وقت کی تہ میں اینٹ گارے سے
شہرِ شاخ و شجر بناتے ہیں

ہم مصوّر ہیں اور پنجروں پر
خواب کے بال و پر بناتے ہیں

چھت بنانا ہمیں نہیں آتا
ہم تو دیوار و در بناتے ہیں

دھڑ ہی بنتے ہیں میری بھٹّی میں
سامنے والے، سر بناتے ہیں

دل بناتے ہیں چاک پر ہم تو
مست ہو کر اگر بناتے ہیں

اب فرشتوں کے سرخ آنسوؤں سے
از سرِ نو بشر بناتے ہیں

خاک کے اس خمیرِ تازہ کو
صاحبِ خشک و تر بناتے ہیں

میری تاریخ سے نہیں واقف؟
کیوں مجھے راہ بر بناتے ہیں

بنایا جس نے بھی تازہ نصاب سانحے کا
مرے ہی نام کیا انتساب سانحے کا

وہی جو چھپ کے یہ نیکی کے کام کرتا ہے
اُسی جری کو ملے گا ثواب سانحے کا

سب اپنے زخم ہی سہلا رہے ہیں سائے میں
کسی نے بھی نہیں مانگا حساب سانحے کا

مَیں سوچتا ہوں کہ اُس پار سیر کر آؤں
کھلا ہوا ہے کئی دن سے باب سانحے کا

اِسی طرح ہی رہیں گے یہ سلسلے سارے
کہ سانحہ ہی سنا ہے جواب سانحے کا

کسی کی آنکھ نے سیکھا ہے سرمگیں رہنا
کسی کے جسم کو آتا ہے صندلیں رہنا

اُسے تو ہونٹ ملے ہنستے مسکراتے ہوئے
ہمارے حصّے میں آیا دلِ حزیں رہنا

مَیں سادہ لوح بناتا رہا مکان نیا
اُسے خبر تھی کہ اس نے یہاں نہیں رہنا

کہیں بھی کوئی بٹھا دے تو بیٹھ جانا تم
اور اگلے حکم تلک خیر سے وہیں رہنا

غَرَض عدول نہ کچھ امتثالِ امر میں ہو
مکاں رہے نہ رہے، تم وہیں مکیں رہنا

نشیبِ عمر کی منزل میں بھی وہی تم ہو
جسے ازل سے بتایا گیا حسیں رہنا

تمھارے ہونٹ لگے ہیں تو آج سے دل ہے
اب اِس جبیں کا مناسب نہیں جبیں رہنا

کہو تو ناز و ادا کا رویّہ کیسا ہے
ہمارے بعد وفا کا رویّہ کیسا ہے

کسی کو بھیج کے معلوم کرنا چاہیے تھا
غزہ کے حق میں خدا کا رویّہ کیسا ہے

کسی گلاب سے یہ پوچھ کر بتایئے گا
کہ سردیوں میں صبا کا رویّہ کیسا ہے

ہمارے حال سے واقف عزیز جانتے ہیں
ہمارے ساتھ دعا کا رویّہ کیسا ہے

دریچہ کھول کے دیکھو کہ دھوپ نکلی ہے؟
پتا چلے کہ ہوا کا رویّہ کیسا ہے

ہماری گونج میں شامل رہے گی خاموشی
ہمیں خبر ہے صدا کا رویّہ کیسا ہے

نجانے بخت کو یہ رنگ بھائیں گے کہ نہیں
ہتھیلیوں پہ حنا کا رویّہ کیسا ہے

بازیچۂ فنونِ ادائی میں کچھ نہیں
اس کارگاہِ شعلہ نوائی میں کچھ نہیں

خود کار ہونٹ، موم کے جعلی گلاب ہیں
ایسے لبوں کی عقدہ کشائی میں کچھ نہیں

بے جان قافیوں کا تماشا لگا ہوا
اس موسمی سی خطبہ نمائی میں کچھ نہیں

ہاتھوں میں نقد و جنسِ اشارہ ہے اور بس
اِس کے سوا تو ان کی رسائی میں کچھ نہیں

کشکولِ مدّعا بھی تہی دست ہی رہا
ایسی سماعتوں کی گدائی میں کچھ نہیں

ممکن نہیں کہ آپ تصنّع کو چھوڑ دیں؟
اس کے سوا خدا کی خدائی میں کچھ نہیں؟

لگتا نہیں کہ جسم سے خالی ہے پیرہن؟
لگتا نہیں کہ ایسی کمائی میں کچھ نہیں؟

خواہش پہ سوار ہو گیا ہوں
خواہش کا شکار ہو گیا ہوں

اک جَست، جو ہو رہی تھی مشکل
اس جَست کے پار ہو گیا ہوں

اب اور ہتک اٹھاؤں کیسے
ذلت کو بھی عار ہو گیا ہوں

اے رنگ، لگا نہ ہاتھ مجھ کو
دیوارِ غبار ہو گیا ہوں

اے گرد، نکل مری حدوں سے
مَیں خستہ و خوار ہو گیا ہوں

اے مہر و مہ و نجوم، دیکھو
مَیں اپنا مدار ہو گیا ہوں

ملتی نہیں جس کو قبر اپنی
وہ لوحِ مزار ہو گیا ہوں

لوگ کہتے تھے کہ تسکینِ تقاضا کرتے
ہم نہ تھے ایسے کہ توہینِ تقاضا کرتے

خود سے جو ہو نہ سکا، آپ سے کہتے کیسے
آپ کو کس لیے تلقینِ تقاضا کرتے

ایک ہی راہ تھی، اقرار کہ انکار، سو ہم
کیسے اک لفظ پہ تضمینِ تقاضا کرتے

سادہ لفظوں میں ادا حرفِ طلب دل نے کیا
کیا تکلف تھا کہ تزئینِ تقاضا کرتے

سادہ لوحی میں جو مانگا، وہ زیادہ تھا بہت
آئنہ دیکھ کے تخمینِ تقاضا کرتے

مدعا ٹھیک سے سنتے تو پگھلنا پڑتا
آپ بے ساختہ تحسینِ تقاضا کرتے

ایک میت ہے کہ مٹی اسے رکھتی ہی نہیں
عمر گزری مجھے تدفینِ تقاضا کرتے

ایک دل کے کئی دھڑے ہوئے تھے
اور ضد پر سبھی اڑے ہوئے تھے

جانے کیوں وہ ہمیں اُٹھا لایا
ہم کہیں راہ میں پڑے ہوئے تھے

دھوپ سہنے کا حوصلہ نہیں تھا
پیڑ بننے نکل کھڑے ہوئے تھے

ایک خنجر تھے، تیز، زہر آلود
اپنے ماتھے میں ہم گڑے ہوئے تھے

سب کو دستہ دکھائی دیتا تھا
جس پہ ہیرے بہت جَڑے ہوئے تھے

ہم بھی ہم زاد اُس کے رنج کے ہیں
ہم بھی بچپن ہی میں بڑے ہوئے تھے

تیرا سراغ ڈھونڈنے نکلے ہوئے تو ہیں
جگنو، چراغ ڈھونڈنے نکلے ہوئے تو ہیں

کن ٹہنیوں کا سیب تھا آدم کا ذائقہ
ہم بھی وہ باغ ڈھونڈنے نکلے ہوئے تو ہیں

وہ کیفیت عجیب تھی جو ہم سے کھو گئی
دل کا فراغ ڈھونڈنے نکلے ہوئے تو ہیں

ماتھا بھی، دل بھی، جسم بھی، دامن بھی، روح بھی
سب اپنا داغ ڈھونڈنے نکلے ہوئے تو ہیں

ہم کو تو اپنا آپ بھی رہتا نہیں ہے یاد
تم سا دماغ ڈھونڈنے نکلے ہوئے تو ہیں

مٹی کے رنگ روپ سے تسکینِ خاک ہے
کس مُو قلم کی کوکھ میں تزئینِ خاک ہے

توصیفِ گل رُخاں ہو کہ ہو مدحِ غنچگاں
مضمون اصل میں وہی تحسینِ خاک ہے

فرصت کبھی ملے تو ذرا کان دھر سنو
مٹی کا نوحہ خطبۂ تلقینِ خاک ہے

مجھ کو سپردِ خاک نہ کرنا، نہیں نہیں
لگتا نہیں تمھیں کہ یہ توہینِ خاک ہے

اعلان ہو رہا ہے کہ رخصت ہوئی زمیں
کن پانیوں میں قُبّۂ تدفینِ خاک ہے

یہ تو سنی سنائی ہے، تحقیق تو نہیں
مشقِ سخن ہے تجربہ، تخلیق تو نہیں

ہم فسق پر بھی ٹھیک سے عامل نہ ہو سکے
اقرار باللّساں کِیا، تصدیق تو نہیں

توفیق میں تو خیر بھی ہوتی ہے، ذوق بھی
قطعاً کچھ اور شے ہے یہ توفیق تو نہیں

حق ہے کہ ہے مذاقِ مذاہب جدا جدا
جو آپ کر رہے ہیں، وہ تطبیق تو نہیں

صدیوں سے اتفاق ہمارا اسی پہ ہے
تکفیر کرتے آئے ہیں، تفسیق تو نہیں

اب تو ضرور ہے کہ کوئی جمع کر سکے
یا کم سے کم کچھ اور بھی تفریق تو نہیں

شاید بتا نہیں سکا مَیں اپنا مدّعا
درکار صرف رائے تھی، توثیق تو نہیں

ماں باپ میرے جیسے اکثر کبوتروں کا
دلّی کا بندہ پرور، دل بر کبوتروں کا

محفل سماع کی ہے اور رنگ رنگ پر ہے
رنگوں میں ڈھل رہا ہے زیور کبوتروں کا

گل کاریاں ہیں کیا کیا ان گانیوں پہ دیکھو
طاؤس بن گیا ہے زرگر کبوتروں کا

ہم نے بھی چوگ پائی قسمت میں جس قدر تھی
اس در پہ لگ رہا تھا لنگر کبوتروں کا

ہم بے سبب نہیں تھے محوِ طواف اس کے
وہ گھر سا لگ رہا تھا بے گھر کبوتروں کا

گنبد کی چھاؤں دل پر قائم رہے ہمیشہ
سایہ رہے سلامت سر پر کبوتروں کا

کیسے دیا جلے گا اُس بام پر ہمارا
واں زاغ سن رہے ہیں ہم سر کبوتروں کا

کیا کہیے تم سے صاحب، اکثر یہاں پہ وہ ہیں
اندر ہے بلّیوں کا، باہر کبوتروں کا

لقّے کی بات چھوڑو ہم دیکھ لیں گے اس کو
تم بھاؤ تاؤ کر لو دیگر کبوتروں کا

پینڈو کبوتروں کو کل بیچ کھایا ہم نے
لاہوری جوڑا لائے بہتر کبوتروں کا

تم فوجِ فیل لاؤ بازیچۂ سخن میں
ہم لے کے آئے دیکھو لشکر کبوتروں کا

کل مصحفی کی شب تھی ساری کبوترانہ
پانی میں اس نے پھینکا پتھر کبوتروں کا

ہنگامۂ تغزل برپا ہوا اچانک
پھوڑے پہ لگ گیا تھا نشتر کبوتروں کا

دل رات بھر رہا تھا غریقِ جمالِ غیب
صبح آ گئے تھے ملنے کہیں سے رجالِ غیب

وہ لے گئے مجھے کسی بزمِ عروج میں
برپا عجیب سا تھا جہاں وجد و حالِ غیب

اب تک جمی ہوئی ہے پَروں پر اُسی طرح
وہ نور کی بنی ہوئی گردِ وصالِ غیب

ہر دور میں بہت سے دماغوں کو یوں لگا
جیسے یہ کائنات ہے دھندلا خیالِ غیب

یہ عالَمِ شہادتِ با کمّ و کیف بھی
برسوں مری نظر سے نہاں تھا مثالِ غیب

ایسا نہ ہو کہ غیب فقط ایک بات ہو
بے کار ہی نہ جائے کہیں قیل و قالِ غیب

ایسا نہ ہو کہ غیب بھی ہو عکسِ غیب ہی
دنیائے رنگ و بو بھی ہو بس انتقالِ غیب

تشکیک وہ غرورِ تیقن بھی لے اڑی
اب تو ہے غیب پر بھی مجھے احتمالِ غیب

کب تک رچا رہے گا مری روح میں معینؔ
اندوہِ کون، رنجِ مکاں اور ملالِ غیب

وہ جو ظاہر میں سب سے برتر ہیں
آپ ہی ہیں جو اپنے ہم سر ہیں

دعوتِ امن و صلح دینے کو
حسبِ معمول حملہ آور ہیں

شرِّ شیطان کے نمائندہ
فکرِ نمرود کے وہ محور ہیں

مکرِ دجّال کے صحیفے بھی
بچپنے ہی سے ان کو ازبر ہیں

درد ان کا سمجھ میں آتا ہے
وارثِ کشتگانِ خیبر ہیں

آج تک ہم پہ منکشف نہ ہوا
کہ وہ کیوں اتنے سفلہ پرور ہیں

''لا'' کی اک ضرب کی ضرورت ہے
ہم بھی درویشِ ربِّ اکبر ہیں

خاتم المرسلیں کی رحمت سے
ہم تہی دست بھی تونگر ہیں

ہم ملنگوں کو چھیڑتے کیوں ہو
ہم نجف کے ہیں اور قلندر ہیں

ہجر کی رات بھی وصال کی تھی
یہ کرامت کسی خیال کی تھی

زخم تھا اور بہت پرانا تھا
ایک تہ اس میں اندمال کی تھی

مَیں نے دیکھا کہ اک سرائے ہے
جس میں خوشبو کسی ملال کی تھی

مَیں نے دیکھا ہے ایک حجرہ ہے
روشنی جس میں انفعال کی تھی

مَیں نے دیکھا ہے مَیں کھڑا ہوں کہیں
یا شباہت سی خدوخال کی تھی

مَیں نے دیکھا کہ دل کی دھڑکن بھی
ایک بے تاب اعتدال کی تھی

مَیں نے دیکھا بلند دروازہ
جس کی تعمیر کس کمال کی تھی

مَیں نے دیکھا کہ ایک گنبد ہے
جس میں بارش کسی جمال کی تھی

مَیں نے دیکھا کہ ایک مرقد ہے
جس میں جھلکی سی بے مثال کی تھی

سود و زیاں کے دائرۂ کار سے نکل
وابستگی کے حلقۂ غدّار سے نکل

اپنی دکان خود ہی بڑھا ٹھیک وقت پر
سورج غروب ہوتے ہی بازار سے نکل

تکمیل کیا ضرور ہے؟ تعمیل چھوڑ دے
ہونٹوں پہ آ گئی ہوئی گفتار سے نکل

عادت شکن بھی کوئی تو ہونا ہی چاہیے
صدیوں کے ان روایتی اطوار سے نکل

اصرار کرنے والوں کو چھوڑ ان کے حال پر
اٹھ، بوریا اٹھا میاں، اصرار سے نکل

زندانِ حبس میں تو ہَوا خاک آئے گی؟
دروازہ مل نہیں رہا؟ دیوار سے نکل

اب مسخ ہونے آئے ترے خدوخال بھی
یہ کھیل چھوڑ، کھوکھلے کردار سے نکل

اپنوں کی کھال اوڑھے ہوؤں سے فرار کر
تنبیہ کر رکھی تھی کہ اغیار سے نکل

یہ دفترِ ہتک تو سنبھالا نہ جائے گا
منصب پہ خاک ڈال کے سرکار سے نکل

یہ پس دریدہ، پیش بریدہ منافقت
فی الفور ایسے جرگۂ مکّار سے نکل

مہلت نہیں رہی ہے، زیادہ روی نہ کر
اس ربطِ دل گرفتہ کے آزار سے نکل

بچتی ہے جتنی عمر، وہ اپنے لیے بچا
ہر حال میں توجہِ دل دار سے نکل

کس طُورِ توجّہ کے مضافات میں گزری
کل رات مری اور کسی رات میں گزری

وہ ساعتِ سیّار جو مطلوبِ زماں تھی
مجھ پر وہ کسی دشتِ مناجات میں گزری

کچھ بیت گئی نورِ احادیث کی ضو میں
کچھ جلوہ گہِ معنیِ آیات میں گزری

کچھ حافظ و خیّام کے اشعار میں بیتی
کچھ سعدی و رومی کی حکایات میں گزری

مَیں ورنہ گنوا آتا کہیں عمر کی پونجی
صد شکر کہ اس کعبۂ حاجات میں گزری

کچھ کم تو نہیں اس کا گزرنا بھی مرے دوست
اچھی ہی رہی جیسے بھی حالات میں گزری

روداد سنا، شمعِ شبستانِ تعلق
کیا تجھ پہ مرے طاقِ طلسمات میں گزری

ضرور ہے کہ کرے کوئی کچھ وضاحتِ شب
مرے تو فہم سے بالا ہے یہ سلاستِ شب

مجھے کرشمۂ ابہام کی طلب تھی، سو ہے
مرے وجود پہ نازل ہوئی صراحتِ شب

حجابِ نور میں لپٹے ہوئے جمال، دکھا
طلوعِ شمس سے بڑھ کر کوئی کرامتِ شب

اے میرے صاحبِ قامت، کبھی اقامت کر
قیام کر کہ بپا ہو کبھی قیامتِ شب

نجانے کیوں مجھے لگتی ہے مختصر اتنی
اے قصہ خوانِ تلذّذ، تری حکایتِ شب

عجیب وادیِ کیف و سرور میں دل نے
تمام رات ادب سے سنی تلاوتِ شب

سماعِ سورۂ واللیل بھی عنایت ہے
اسی کے ذیل میں طاری رہی ہے حالتِ شب

حدودِ لفظ سے آگے سوادِ معنی تک
کئی طلسم نہاں ہیں نہادِ معنی تک

اشارتوں نے بہت دل کی دست گیری کی
کشودِ حرف سے لے کر کشادِ معنی تک

ہماری نقدِ ہنر لے کے قافلے والے
پہنچ گئے ہیں بالآخر کسادِ معنی تک

متاعِ لفظ کو اس در پہ کون پوچھے گا
جہاں پہ ہیچ گنی جائے زادِ معنی تک

وفورِ شوق میں لکھی گئی پہیلی کو
وہ کھینچ کھانچ کے لائے فسادِ معنی تک

کل شام کو یقیناً اک فرد کم رہے گا
یا مَیں رہوں گا گھر میں یا میرا غم رہے گا

اس راستے سے میرا ممکن نہیں ہے ہٹنا
سر کٹ گیا تو پھر بھی نقشِ قدم رہے گا

بت بھی نہیں رہیں گے آتش کدے بجھیں گے
شہ رگ میں شعلہ افگن لیکن دھرم رہے گا

ہم لوگ کچھ بھی کر لیں، کچھ بھی نہ کر سکیں گے
ذکرِ عرب کی تہ میں فکرِ عجم رہے گا

کھنچتا رہے گا دائم اہلِ زباں کا تالو
اہلِ قلم کا سر بھی قطعاً قلم رہے گا

تیغِ ستم کی ہیئت جب تک خمیدہ ہو گی
سب سرکشوں کا سر بھی یک سر ہی خم رہے گا

دل پر کبھی نہ رکھیے دار و مدار سارا
یہ من چلا کہیں بھی یک لخت تھم رہے گا

خونِ رگِ گلو پر تکیہ نہیں مناسب
میدان میں پہنچ کر بے چارہ جم رہے گا

اے خندہ چشم، مجھ کو کیوں ایسا لگ رہا ہے
یہ گوشۂ عنایت آئندہ نم رہے گا

ایسا نہیں کہ دل بھی ہو جائے ہاتھ خالی
کچھ بھی نہ پاس ہونا ہر دَم بہم رہے گا

خالی نہیں رہے گا حجرہ کوئی بھی میرا
فرشِ وجود پر بھی عرشِ عدم رہے گا

حافظ سے جا کے کہیو، پیرِ مغاں سلامت
دنیا میں جَم ہے باقی ، دنیا میں جَم رہے گا

راکھ ہونے کے جوش سے پہلے
اختتامی خروش سے پہلے

مَے کدے میں مجھے نہیں جانا
ساقیِ پردہ پوش سے پہلے

آخرِ کار مَیں بلایا گیا
آخری بادہ نوش سے پہلے

اک بشارت عطا ہوئی مجھ کو
اطلاعِ سروش سے پہلے

تھی بصیرت بھی اور سماعت بھی
صورتِ چشم و گوش سے پہلے

یہ نہیں ہے کہ اچھے لوگ نہ تھے
تھے مگر میرے ہوش سے پہلے

چشم برہم زدن کی مہلت ہے
بات کر لوں ''خموش'' سے پہلے

پھر سفر اختیار مَیں نے کیا
دلِ خانہ بدوش سے پہلے

جسم کو چھوڑ کر مَیں چل نکلا
یعنی اس سخت کوش سے پہلے

جزیرے رہ گئے آباد کتنے
وہاں رہتے ہیں اب افراد کتنے

یہاں اَبدال بستے تھے بہت سے
یہاں رہتے رہے اَوتاد کتنے

چڑیلوں کو بہت جُوعُ البقَر ہے
چڑیلیں کھا گئیں فرہاد کتنے

یہاں انسان کتنے بچ گئے ہیں
یہاں جنّوں کے ہیں ہم زاد کتنے

کسی کو یاد بھی شاید نہ ہو گا
یہاں مارے گئے بہزاد کتنے

کسی عفریت نے سوچا نہیں ہے
گھرانے ہو گئے برباد کتنے

زبانیں تالوؤں تک کٹ گئی ہیں
کریں گے بے زباں فریاد کتنے

تو کیا مَیں خوش گمانی کھو چکا ہوں
مرے خدشے ہیں بے بنیاد کتنے

مجھے امید سے یہ پوچھنا ہے
رکھوں اپنے دیے ناشاد کتنے

سبزے سے بہارِ زرد لایا
شعلے سے میں آبِ سرد لایا

کھودی نہیں جُوئے شِیر مَیں نے
دریا سے مَیں نہرِ گرد لایا

اے عشق تمھیں ہماری جانب
یہ دل کا دلیر مرد لایا

دنیا میں نہیں تھا مجھ کو آنا
دوڑا کے تمھارا درد لایا

اوروں کے دفاترِ عمل تھے
مَیں حشر میں ایک فرد لایا

ترے حضور میں سیلِ طلب کی شدت تھی
زبان میں نہیں، اس دن تو دل میں لکنت تھی

حروف بنتے بگڑتے تھے دل کی بھٹی میں
ادائے لفظ کی ہونٹوں کو کتنی عجلت تھی

مَیں بے طرف ہی رہا اس قدر کشاکش میں
کہ میرے لفظ و معانی میں جنگِ سبقت تھی

ادا ہوئے تھے جو الفاظ، وہ بھی مبہم تھے
تجھے خبر ہے کہ ابہام میں صراحت تھی

اٹھے ہوئے تھے مرے ہاتھ، اور خالی تھے
وہ خالی پن بھی نہیں تھا عجب کرامت تھی

خلائے شوق تھا اور شوق کیسے بھر جاتا
یہی خلا تو مرے شوق کی شہادت تھی

مَیں سنگ ریزے ہی چنتا رہا تھا خواب میں بھی
کہ دل کو سنگِ ملامت کی سخت حاجت تھی

وہ میرا ریت پہ سونے کا پہلا تجربہ تھا
وگرنہ ریت پہ ہونا تو میری عادت تھی

مَیں جس مقام کے قابل کبھی ہوا ہی نہ تھا
اسی مقام پہ موجود تھا، قیامت تھی

مَیں اتنی بھیڑ میں خود سے بچھڑ بچھڑ نہ گیا
تری نگاہِ کرم کی بہت عنایت تھی

مَیں اس پہاڑ کے پہلو میں سانس لیتا رہا
کہ اس فضا کے علاوہ، ہَوا بھی نعمت تھی

تو یہ ہوا کہ فضائل بہت سے بھول گئے
کسی نے مجھ سے کہا ہے کہ یہ فضیلت تھی

نالہ نہ کوئی سینۂ معتوب سے اٹھا
چپ چاپ وہ اس محفلِ مغضوب سے اٹھا

مدت ہوئی احساسِ محبت بھی نہیں ہے
یہ خیر کا پہلو دلِ معیوب سے اٹھا

ہم نے تو بس اتنا سا ہی دیکھا کہ اچانک
شعلہ سا کوئی نعرۂ مجذوب سے اٹھا

اچھی نہیں صدیوں کی روایت شکنی بھی
عاشق بھی کبھی کوچۂ محبوب سے اٹھا

اب نفس کشی اس کو نہ کہیے گا خدا را
دل موج میں اس خواہشِ مرغوب سے اٹھا

خون کے دباؤ میں ہا و ہو زیادہ ہے
ان دنوں رگ و پے میں گفتگو زیادہ ہے

بولیاں پرندوں کی حوصلہ بڑھاتی ہیں
ورنہ موت کی دہشت کو بہ کو زیادہ ہے

لوگ تو نہیں ان کے سائے ساتھ رہتے ہیں
خواب کے تناظر میں رنگ و بو زیادہ ہے

ایک سمت کافی تھی، یک سوئی تو کچھ ہوتی
میرے جیسے لوگوں کو چار سو زیادہ ہے

گھر کے ساز و ساماں کا جائزہ لیا ہم نے
کام کا بہت کم ہے، فالتو زیادہ ہے

لفظ اُڑے، آواز بجھی، بس ایک اشارہ باقی ہے
چاند اور سورج ڈوب گئے ہیں، صرف ستارہ باقی ہے

گھاس کی پلکیں صبح سویرے تلووں کو سہلاتی ہیں
خالی ہوتی دنیا میں بھی کوئی ہمارا باقی ہے

دن بھر دل کو چاروں جانب رات ہی لگتی رہتی ہے
شام کو ایسے لگتا ہے ابھی دن تو سارا باقی ہے

آج تو ہم ان آنکھوں کو پیغام یہ بھیج کے سوئیں گے
آج کے دن تک جو بھی ہوا وہ سارا دوبارہ باقی ہے

خواہش کے اس کیچڑ میں ہم گردن گردن لتھڑے ہیں
سارے کنارے دیکھ آئے ہیں، خود سے کنارہ باقی ہے

دل کے تعلقات بدن سے کشیدہ ہیں
ہم ان کے درمیان بہ خود آرمیدہ ہیں

طبعِ سلیمِ اہلِ ملامت ہی ڈھونڈیے
وہ لوگ ہیں کہ وارثِ ذوقِ حمیدہ ہیں

یہ چاک پیرہن سے زیادہ ہے روح میں
ہم کس دیارِ درد کے دامن دریدہ ہیں

ہم ہیں سفر نصیب اسی راہِ جذب کے
جس رہ کے سنگِ میل بھی منزل رسیدہ ہیں

کیسے تمھارا دامنِ زرتار چھُو سکیں
ہم تو یہاں خلیفۂ دستِ بُریدہ ہیں

یا مَیں ہی کور ذوق ہوں شہرِ جمال میں
یا پیکرانِ رنگ ہی شعرِ شنیدہ ہیں

تم ان کی اقتدا نہیں کرتے، عجیب ہے
شاخیں بھی اپنے بارِ ثمر سے خمیدہ ہیں

لکھوا کے لائے ہم بھی دُرِّ ثمینِ دل پر
اچھا سا نام اس کا اپنے نگینِ دل پر

مژگانِ یار نے بھی کیا خطِّ نسخ کھینچا
چند و چگونِ دل پر، چون و چنینِ دل پر

ہونٹوں پہ دھڑکنوں کے یَا فردُ یَا صمد ہے
کندہ ہے یا غنُّی لوحِ جبینِ دل پر

معلومِ دنیوی سے بھی کچھ اور تو نہیں ہے
اک فَرش سا بچھا ہے عرشِ برینِ دل پر

بیعت جو کرتے پایا عشّاقِ خوش نظر کو
ہم نے بھی ہاتھ رکھا دستِ یمینِ دل پر

طوفانِ ظنّ و شک میں ہچکولے کھاتے کھاتے
آخر یہ کشتی اتری کوہِ یقینِ دل پر

ہم رسّیاں تڑا کر بھاگے حقیقتوں سے
خوابوں میں خیمہ زن ہیں یعنی زمینِ دل پر

مدّت سے دونوں خوش ہیں، واعظ بھی اور ہم بھی
وہ اپنے دینِ دل پر، ہم اپنے دینِ دل پر

جن صاحبوں پہ ہم نے کوئی اثر نہ دیکھا
آخر سلام بھیجا اُن سامعینِ دل پر

آتش فشاں کے منہ میں رہتا ہے کس مزے سے
رہتی ہے ہم کو حیرت اپنے مکینِ دل پر

ہاتھوں سے اپنے اس کو دستارِ فیض باندھی
کی میر نے عنایت کل جانشینِ دل پر

تجھ تک بچا کے لائی ہے میری جبیں مجھے
ورنہ تو دل نشیں تھے بہت کفر و دیں مجھے

مجھ کو وہ چہرہ خواب میں دیکھا ہوا لگا
دیکھا ہوا تھا اس نے بھی شاید وہیں مجھے

تقسیم کرنے والے نے کیسا کرم کیا
انگشتری کسی کو ملی اور نگیں مجھے

مجھ پر عطائے خاص ہے سانپوں کے باب میں
رکھتی ہے خود کفیل مری آستیں مجھے

دربار میں بلایا گیا ہوں نجانے کیوں
آتا نہیں ہے کچھ بھی سوائے ''نہیں'' مجھے

یہ رند روحِ شیون و جانِ خروش ہے
کیا ہے اسے کہ کل سے مکمل خموش ہے

یہ مصلحت گریز تھا، آشوبِ امن تھا
یہ فتنہ آج کس لیے تسلیم کوش ہے

بس نبض چل رہی ہے، حرارت نہیں کوئی
شورش نہیں ہے دل میں، نہ آنکھوں میں جوش ہے

اب راکھ اڑتی پھرتی ہے ایوانِ شعلہ میں
بازارِ گفتگو میں یہ سرمہ فروش ہے

ساقی نے چشمِ ناز سے جب اذن دے دیا
پھر تو وجوبِ رقص و لزومِ خروش ہے

یہ تو محلِّ حکمِ جنوں ہے، یہاں یہ کیوں
اتنا مصرِّ قاعدۂ عقل و ہوش ہے

کہتا ہے، میری حسِّ سماعت کے باب میں
فرمانِ انقطاعِ نوائے سروش ہے

جب دردِ گوش ہو تو ذرا خود ہی سوچیے
کس رستمِ زماں کو سرِ نا و نوش ہے

اک دردِ لا دوا ہے گلوگیر متّصل
جس کی پہنچ بھی تا تہِ بینی و گوش ہے

اک کان نذرِ حضرتِ ناصح کیا معیّن
گو بند ہے پہ گوشِ نصیحت نیوش ہے

پھر اوج پہ موجۂ سخن ہے
کیا چشمۂ زہر موجزن ہے

لکھتے تھے جسے چمن مؤرخ
وہ قتل گہِ گل و سمن ہے

ہر نعرۂ کوفۂ سیاست
عثمانِ غنی کا پیرہن ہے

سیمرغ جسے سمجھ رہے ہو
وہ چغد ہے، زاغ ہے، زغن ہے

ایوانِ غزل کی شمعِ خاموش
مرثیۂ اہلِ فکر و فن ہے

پرواز پہنچ گئی وہاں تک
جاتے نہیں بال و پر جہاں تک

ہے راہ نما مرا بگولہ
اس دھوپ نگر کے سائباں تک

اے رات، نہ جانے تجھ میں کیسے
اترا ہے زمیں پہ آسماں تک

پہنچا مرا رت جگا بہ خوبی
تاخیر سے دی گئی اذاں تک

اے واقعے، تھام میرا بازو
لے چل مجھے عمرِ ناگہاں تک

وصل کا افتراق سے ملنا
میرا اہلِ نفاق سے ملنا

چھوڑ رکھا ہے دل نے خود سے بھی
شدّتِ اشتیاق سے ملنا

اتفاقاً نہیں سمجھتا مَیں
کل ترا اتفاق سے ملنا

یاد کے کچھ بجھے چراغوں کا
ایک افسردہ طاق سے ملنا

لطفِ صحبت ہے مدعا تو کبھی
کسی اہلِ عراق سے ملنا

تاخیر سے دی گئی اذاں ہوں
اے وقت، مَیں تجھ میں رائگاں ہوں

الفاظ مرے نہیں ملیں گے
دم توڑتی مشرقی زباں ہوں

حصّہ ہے مرا بھی روشنی میں
آخر میں چراغ کا دھواں ہوں

اُسلوبِ سفر الگ ہے میرا
مَیں اپنی ہی موج میں رواں ہوں

کرتے ہیں گریز دوست مجھ سے
جیسے مَیں نصیبِ دشمناں ہوں

سفر میں ہیں بھی، نہیں بھی، عجب مسافر ہیں
مقیم جتنے بھی ہیں سب کے سب مسافر ہیں

بہت سے لوگ ہیں جو مہر و ماہ کی صورت
کسی بھی حال میں ہوں روز و شب مسافر ہیں

ستارہ وار ہیں ہم سارے ریت کے ذرّے
قیامِ شب سے نکلتے ہیں، اب مسافر ہیں

ہمیں یقین مسبّب پہ ہے، سبب پہ نہیں
نکل پڑے ہیں کہ ہم بے سبب مسافر ہیں

سفر کو ہم نے جگہ دی ہے اپنے باطن میں
سرائے تو ہمیں کہہ لیجے، کب مسافر ہیں

ہم بہ توفیقِ ربِّ عزّ و جل
نہیں اہلِ خلافیات و جدَل

ہم نہ مفتی، نہ محتسب ، نہ فقیہ
نَے قلندر ، نہ رندِ اہلِ ہزل

سیدھا سادا ہے ظاہر و باطن
کچھ بھی سیکھے نہیں فنونِ حیَل

ہم نہیں سنگِ میلِ جذب و جنوں
ہم نہیں راہِ عشق کی مشعل

نہ ملامت گری کا ذوق ہمیں
نہ ہدایت کے شوق میں مختَل

نہ کسی عِلم میں علَم کی طرِح
نہ کسی فن میں مثلِ ضربِ مَثَل

نثر میں بھی ہنَر سے نا واقف
نظم میں بھی رُمُوز سے اَجہل

ابتکارِ سخن سے بیگانہ
بے مزہ گو، وہ نظم ہو کہ غزل

نہ مدرّس ہی بن سکے اچھے
نہ محقّق ہی بن سکے اکمل

دین کے درد سے تہی دامن
اور دنیا میں دست و بازو شل

نہ کوئی افتخارِ نام و نسب
نہ کوئی ادّعائے حسنِ عمل

عجز میں بالیقیں مسلّم ہیں
نقص میں بالتّمام ہیں افضل

درج ہیں نامۂ عمل میں فقط
دو ہی الفاظ یعنی طولِ امل

ہم ہَوا کی طرح پراگندہ
ہم ہیں سیماب کی طرح بے کل

صرف احباب کے لیے ہی نہیں
ہم ہیں اپنے لیے بھی لا ینحَل

المدد، الغیاث، یا فریاد
کاٹ ڈالے گئے مرے فرہاد

قتل ہونے کو پیدا ہوتا ہے
اک قبیلہ، قتیلِ مادر زاد

برف پر دل نے رکھ دیے شعلے
ایک منظر نیا کیا ایجاد

ہم نے نوحوں کو آگ دکھلائی
دشت کا دشت ہو گیا آباد

میرے بیٹے تمام ناخوش ہیں
بیٹیاں میری سب کی سب ناشاد

فتنہ خود رو کبھی نہیں ہوتا
کوئی بوتا رہا ہے تخمِ فساد

بابِ شب خون خود نہیں کھلتا
ہاتھ ہے کوئی وجہِ بست و کشاد

خوب پہچانتے ہیں قاتل کو
دیکھا بھالا ہے پنجۂ صیّاد

کوئی نمرود، کوئی ہاماں ہے
کوئی فرعون ہے، کوئی شدّاد

روز قریوں میں سانحے تازہ
روز شہروں میں اک نئی افتاد

دم بخود میرے کربلا و نجف
جاں بہ لب میرے بصرہ و بغداد

خود سے بیزار ہو گئی ہے زمیں
اس قدر کینہ، ایسا بغض و عناد

ہم نے آوازیں دفن کرنی ہیں
کھودیے تو سکوت کی بنیاد

کیا زمانہ ہے، سنگ بستہ ہے
اور چاروں طرف ہے سگ آزاد☆

میری دھرتی لہو کا دجلہ ہے
میرے آنگن میں اس قدر بیداد

ایسی نخوت زدہ تسلّی سے
زخم بھرتے نہیں ہیں، خیر، مباد

آپ کے ہونٹ بند بہتر ہیں
آپ کچھ بھی نہ کیجیے ارشاد

بامِ توہین کے دیے نے کہا
مجھ کو جلنا ہے ہر چہ بادا باد

☆-فیضانِ سعدی شیرازی

جب آئنوں سے اُساری تھی چار دیواری
تو ان میں ایک بھی رکھّا نہیں تھا دیداری

کسی نے ٹھیک خد و خال منعکس نہ کیے
تمام آئنے لگتے ہیں مجھ کو سرکاری

امیرِ شہر کے آئینہ خانے میں کس نے
گزشتہ رات کو چھیڑا تھا راگ درباری

اس آئنے کے تحیّر میں بھی تصنّع ہے
جسے خبر نہیں کیا چیز ہے نگہ داری

غنودگی کے تسلسل پہ استوار ہیں ہم
ہمارے عکس کو ہے موت خوابِ بیداری

اے جامہ زیب، یہ آشفتہ رنگ آئینے
خدا نے ان کو عطا کی تری طلب گاری

چھلک رہی ہے مرے آئینے کے چہرے سے
عجب طرح کی شرارت، عجیب سرشاری

اک آئنہ کسی جلوے سے عرض کرتا ہے
کہ رو بہ رو مرے کیجے دوبارہ تیّاری

زمین سخت ہے اور آسماں ہے دور بہت
ادھر یہ دل ہے کہ رہتا ہے ناصبور بہت

کسی خلا میں کوئی ایسا قریہ بھی ہو گا
جہاں پہ رنگ ہوں، خوشبو ہو اور نور بہت

ثمر قلیل تھے اور وہ بھی سارے نارَس تھے
اگرچہ دل نے اٹھایا تھا اب کے بُور بہت

ہے جس قدر بھی میسّر ہمیں وہ کافی ہے
ہم اس لیے بھی نہیں طالبِ شعور بہت

یہ گاہ گاہ کی برجستہ سرد مہری بھی
بہت ہے میرے لیے اے مرے حضور، بہت

ایسا نہیں ہوا کہ یہ ویسے ہی ہو گیا
وہ پھول جان بوجھ کے کانٹے چبھو گیا

ہے کتنا ذمّہ دار مرے دل کا چارہ گر
جاتے ہوئے نمک سے مرے زخم دھو گیا

اثنائے راہ میں غَلَطی مجھ سے ہو گئی
مَیں ایک پیڑ کے تلے دم بھر کو سو گیا

دل کی تلاش کیسے کریں اِتنی بھیڑ میں
بے چہرہ تھا، ہجومِ تشخص میں کھو گیا

لکّھا یہی ہُوا تھا، خطا اُس کی کچھ نہیں
اب وہ بھی کیا کرے کہ جو ہونا تھا ہو گیا

سکتے میں سکوت ہی فغاں ہے
اس درد کا کون ترجماں ہے

میرا ہے وہ خانوادہ جس کا
ہر خون ہی خونِ رائگاں ہے

غیروں سے نہیں کوئی شکایت
کچھ ہے تو حسابِ دوستاں ہے

ماتھا نہ جھکے تو پھر یہ جانو
ہر خطِّ جبیں ہی کہکشاں ہے

مٹی میں دبی ہوئی یہ پگڑی
سردار کے سر کی راز داں ہے

یہ رنج ہے زادِ راہ میرا
لالے کو یہ داغِ ارمغاں ہے

میرا ہی نہیں ہے یہ خسارہ
تاریخ، یہ تیرا بھی زیاں ہے

رِستا ہُوا لہو در و دیوارِ شہر سے
لے گا یہ خوں بہا اسی خوں خوارِ شہر سے

ہر گھر میں کیوں فروغِ فساد و فتور ہے
جا کر ذرا یہ پوچھیے دلدارِ شہر سے

حاکم یہ چاہتے ہیں کہ فتنہ بہ پا رہے
ظاہر ہیں نیّتیں یہی آثارِ شہر سے

جو سر بلند تھے، سبھی پامال ہو گئے
توفیقِ خیر اُٹھ گئی سردارِ شہر سے

شاید یہ تاج و تخت بہت دیر تک نہ ہوں
مَیں نے سنا یہ کل کسی نادارِ شہر سے

یہ غلط ہے کہ معذرت کی تھی
پہلے ہم نے مزاحمت کی تھی

ہم سے کچھ اور ہو نہیں پایا
ہم نے دل سے مفاہمت کی تھی

اس قبیلے میں صرف مَیں ہی نہ تھا
جس نے دشمن سے مشورت کی تھی

ہے اور کہیں مدار میرا
تجھ پر نہیں انحصار میرا

یہ شعر عصائے موسوی ہے
اس پر نہیں اختیار میرا

دستار ہے تار تار میری
دامن بھی ہے داغ دار میرا

فرد فرد

میرے دل پر بھی چمک اے مہِ تابانِ نجَف
رات ہوں، مجھ پہ نکل مہرِ درخشانِ نجَف

....

دل تمھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے ہار گیا کباب‌چی
پُل پر کھڑا ہُوا ہوں مَیں، پار گیا کباب‌چی

....

زردے میں کچھ پستہ ڈالو رفسنجانی باورچی
ورنہ تم کو کون کہے گا ترکستانی باروچی

....

ہمیں چراغ نہ دو، دل کی روشنی کی جگہ
دِیا تو کچھ نہیں ہوتا ہے آدمی کی جگہ

....

ارادہ حاضری کا کر لیا ہے تا چہ پیش آید
ہر اک الزام اپنے سر لیا ہے تا چہ پیش آید

....

مانگی دعا تو کوئی اذیت نہیں رہی
عقدہ کشائی ہو گئی، لکنت نہیں رہی

....

ہم ابرِ غم نہیں ہیں اگر ہیں بھی ہم کہیں
تھم جانا چاہیے تمھیں اے چشمِ نم کہیں

....

ہم پر تو کھُل نہیں سکا ماتھے کا قُفل بھی
کیا یہ گرہ بھی آپ کے بندِ قبا کی تھی

....

پہلے بتا فضیلتِ افراد اور پھر
کچھ ہو سکے تو ان کے مقاصد بیان کر

....

اپنے حصے میں اذیت ہی اذیت رکھی
اس نے میرے لیے بے شبہ سہولت رکھی

....

اظہارِ غم بھی عرضِ ہنر ہونا چاہیے
سُر تال کے حساب سے ہی رونا چاہیے

....

اس قدر تکلف کا التزام بدعت ہے
فنِ شعر میں ایسا اہتمام بدعت ہے

....

عجیب حال ہے جس میں دعا بھی مشکل ہے
لبوں پہ آیا ہوا یا خدا بھی مشکل ہے

....

موتیوں کی طرح اک اک دانہ ہے
ٹوکری بھی کیا جواہر خانہ ہے

....

مدت سے اشک و خوں سے مرا استفادہ ہے
پھر شعر گوئی کا مرا پختہ ارادہ ہے

....

اہلِ سجّادہ نے اس خیر میں تقصیر نہ کی
شہر میں کون ہے جس نے مری تکفیر نہ کی

....

ہم اور شکستگی بھی طبیعت کے خویش ہیں
ٹوٹے اسی لیے ہیں کہ آئینہ کیش ہیں

....

یہ ریت اور تشنہ لبی کا سفر نہیں
اس راستے میں سود و زیاں کا گزر نہیں

....

موسم اچھا ہے اور ہَوا بھی ہے
لگ رہا ہے کوئی دعا بھی ہے

....

یہ ممکن تو نہیں لیکن خدا چاہے تو ایسا ہو
جدائی کو اگر کچّے میں چھوڑ آئیں تو کیسا ہو

....

کچھ کمی چھوڑی نہیں تھی ہجر کے نمرود نے
آگ کو گلشن بنا رکھا مرے معبود نے

....

ہم سے کچھ قدر نہ ہو پائی اس آئینے کی
لیتے رہیے گا میاں، خیر خبر سینے کی

....

جسم نور افشاں نہیں ہے، روح گرد آلود ہے
ایک دل ہی رہ گیا، جو چشمۂ بہبود ہے

....

ہو جاؤں گا مَیں خود ہی بہ اعلان منہدم
کیوں کر رہے ہو خود کو مری جان منہدم

....

عصیاں کا کاروبار دل افروز ہو گیا
مَیں مشقِ معصیت میں خود آموز ہو گیا

....

یہ مَیں ہوں اور یہ میرا غبارِ معنی و لفظ
کہاں گیا وہ مرا شہ سوارِ معنی و لفظ

....

ایمان کے تمام صحیفے لہو میں تر
بکھرے پڑے تھے گنجِ شہیداں کی خاک پر

....

مَیں نے جو بات سرِ شام سرِ راہ سنی
اتفاقاً وہ مرے دل نے بھی ناگاہ سنی

....

دل اور دماغ تھک گئے ہیں
یہ دونوں چراغ تھک گئے ہیں

....

تجھ پر نہیں انحصار میرا
ہے اور کہیں مدار میرا

....

اُٹھا نہ کبھی غبار میرا
آیا نہیں شہ سوار میرا

....

ایک سایہ تھا، جسم تھا ہی نہیں
وہ تماشا، طلسم تھا ہی نہیں

....

جز گرد و غبار کچھ نہیں ہے
فی الاصل بہار کچھ نہیں ہے

....

درویش کا لگ گیا تھا پھیرا
آباد رہا ہمیشہ ڈیرا

....

اس دشتِ خطر کے پار کیا ہے
اس خوف نگر کے پار کیا ہے

....

مندمل تم سے بھی نہ ہو پایا
یہ مرا زخم، میرا ماں جایا

....

مَیں بہ ظاہر تو اپنے گھر میں رہا
دل کسی جادۂ سفر میں رہا

....

سبزے نے کہا یہی بہت ہے
بارش نے کہا ابھی بہت ہے

....

اے مرے حُزن کم نہ ہو
مجھ کو تمھارا غم نہ ہو

....

مٹی کی لاٹھیاں مرے حصّے میں آئی ہیں
ان کو بھی ہے قدیم سے دیمک لگی ہوئی

....

دستِ طلب بنے ہوئے لوگوں میں ایک بھی
ایسا نہیں جو دستِ زلیخا کے ساتھ ہو

....

یہ ٹھیک ہے کہ مَیں تیر و کماں نہیں لیکن
مجھے نہ چھوڑ کہ لاٹھی بھی کام آتی ہے

....

دل کوئی خاص دعا مانگنے والا ہے ابھی
آپ بھی کہیے ذرا ہاتھ اٹھا کر آمین

....

ایمان کا خیال ابھی تک نہیں مٹا
یہ کیفیت تو دیکھیے کفرانِ کفر ہے

....

ہمیں یاد آتے تھے پیاز اور لہسن
کسی مَنّ و سلویٰ میں لذت نہیں تھی

....

اب ان کی باقیات کا مدفن ہے اک عصا
جادوگروں کے سانپ کہانی میں رہ گئے

....

حیرت سے دیکھتا تھا مَیں پانی کے جوش کو
جب راستہ دیا ہمیں دریائے نیل نے

....

موسیٰ ملے تو مانو مَیں دنیا سے کٹ گیا
فرعون سے بھی ورنہ مری رسم و راہ تھی

....

حَسن حُسین کے اسمائے پاک پڑھتا ہوں
مَیں نام بھی نہیں لیتا کسی مخالف کا

....

جی بھر کے مَیں دیکھ لوں یہ خیمے
مہلت مجھے رات بھر کی دے دو

....

جب راکھ اڑے گی ان کی ہر سُو
اس وقت تو مَیں یہاں نہ ہوں گا

....

آج کی رات لگ رہا ہے مجھے
میرے آنسو مرے نوافل ہیں

....

نمازِ عصر قضا ہو رہی تھی لشکر کی
سو ہم نے جان لڑا کر وہ سر اتار لیا

....

منبر سے بھی ہمی پہ ہوئی ناوک افگنی
محراب میں بھی میرے گھرانے کا زخم ہے

....

میرے لیے نئے نہیں تیر و سناں ترے
تیغ و تبَر سے میرا تعارف پرانا ہے

....

وہاں تو صبحِ قیامت کی روشنی ہی رہی
یہ رات خیمہ گہِ نور پر نہیں گزری

....

کچھ اہلِ قبلہ کہتے ہیں اپنے امام کو
معصوم ہے وہ قتلِ امامِ حُسین میں

....

جیسی بھی ہے معیّن یہ نسبت کی بات ہے
مَیں کوفہ و دمشق میں بھی پا برہنہ ہوں

....

بوسہ گہِ رسول کے زخموں کی داستاں
ہم نے دُرودِ پاک پڑھا اور بیان کی

....

چند قبروں پہ گریہ طاری تھا
قافلے نے جہاں سے ہجرت کی

....

بیعت کی بات مجھ سے دوبارہ نہ کیجیے
اس امرِ خاص میں مرا انکارِ عام ہے

....

یہ لفّ و نشرِ غیر مرتّب ہی جانیے
ہم لوگ صنعتوں کے ابھی تک اسیر ہیں

....

خیمے تو جل کے راکھ بھی مدت کے ہو چکے
دل میں ابھی ہے آگ برابر لگی ہوئی

....

شاید خلافِ واقعہ یہ بات بھی نہ ہو
خاموش امّتی بھی حلیفِ یزید ہیں

....

جب سے ہمارے دل کی نزاکت کا شہرہ ہے
پتھر کا انتخاب کوئی آئنہ نہیں

....

ہمیں تو راس نہ آئی کہیں اقامت بھی
سو ہم سفر میں رہے ہیں، جہاں جہاں بھی رہے

....

جوتے کے سب حروف ہیں اس لفظ میں چھپے
جمہوریت کے نام پہ سر پیٹ لیجیے

....

اے طائرانِ بال بُریدہ، اِدھر ہوں مَیں
میرا ہی دل تمھارا نیا آشیانہ ہے

....

بہت دن سج لیا شاخِ تکلف پر، بس اب کل سے
بکھرنے کا ارادہ کر لیا، اللہ مالک ہے

....

جس کا ہر ایک پھول بہاروں کی جان ہے
اک دشت ہے عراق میں ایسا کمال کا

....

اس بناوٹ میں بھی تھکاوٹ تھی
آخرش دل اچاٹ ہو کے رہا

....

اور اب یہ کال پڑا ہے کہ آدمی کو کبھی
چراغ لے کے کوئی شَیخ ڈھونڈتا بھی نہیں

....

دل متفق نہیں تھا مگر متفق ہوا
آتی ہے اختلاف سے اب تو حیا ہمیں

....

یہ دردِ لا دوا بھی ہے شامل نصاب میں
دل پوچھتا نہیں ہے مگر سوچتا تو ہے

....

جاتے ہوئے اس گھر سے، یہ ذہن میں رکھیے گا
اک رُوح بھی شامل ہے اس نقلِ مکانی میں

....

خلوت میں بھی رہی مجھے جلوت کی آرزو
جی چاہتا رہا ہے کہ مَیں گفتگو کروں

....

خیال و خواب ہُوا اب سفر اجالے میں
مَیں رات کو بھی بہت دیر میں روانہ ہُوا

....

دل کس طرف کو آ گیا وحشت کی راہ سے
اے سنگِ میل، تُو مرے لاہور کا نہیں

....

نقشِ تسکیں میں ہے ایسا مرا عامل کامل
لکھ کے پانی سے پلاتا ہے ہمیشہ پانی

....

پیاس کی شدت کی جب اس سے شکایت دل نے کی
اس نے پھر تعویذ میں اک لفظ پانی لکھ دیا

....

کل اک طبیب نے دیکھی جو نبض، فرمایا
بدن کی ساری نمی آ بسی ہے آنکھوں میں

....

کھیل کود اچھی ہے، آپ کھیلیے صاحب
اہلِ علم و دانش کی قدر بھی کِیا کیجے

....

زباں ان پانچ حرفوں کو ادا کرنے سے عاجز ہے
بہت شرمندہ ہوتا ہوں مَیں لفظِ کربلا کہتے

....

نثار مَیں مرے دل پر کہ وہ یہ کہتا ہے
مرے لیے تو حَسن اور حُسین کافی ہیں

....

اے خون کی ندی، مجھے اتنی خبر تو دے
کچھ سر برہنہ لفظ بھی ماتم کو آئے تھے؟

....

ادب شناس رہو گے تو خوش نصیبی ہے
مرے سلام کے لفظو، چلو، وضو کر لو

....

بہت طویل مسافت ہے، قافلے والو
خدا ہمیشہ تمھیں اپنے سائے میں رکھے

....

اشارہ فہم نہ ہوتا تو کیسے کَہ دیتا
کہ سچ تو یہ ہے وضاحت کا لطف اپنا ہے

....

ہماری جو بھی قیمت ہو، بہت ہے
ہمیں بازار کا کچھ تجربہ نئیں

....

آخر کو ہم بھی آ ہی گئے خود کو بیچنے
پھر یہ ہُوا کہ ایک بھی بولی نہیں لگی

....

فرق پڑنے کا کچھ نہیں دل کو
اب اگر فائکر بنے، نہ بنے

....

ہم ذرا سے داغ سے ہیں مختلف
درد بھی دل میں رہا، بے درد بھی

....

دل کے احوال آنسوؤں سے لکھیں
آبِ زر سے کبھی نہ لکھیے گا

....

دل نے سِلنے دیا ہے میرے لیے
کسی درزی کو سبز کُرتا بھی

....

کیسا کمال تم کو ملا عقل و ہوش میں
ہم لوگ تو جُنوں میں بھی کامل نہ ہو سکے

....

یقیں کے مدارج سے گزرے ہوئے دل
ہمیں تو تمھی پر ہی شکُّ الیقیں ہے

....

ایک دروازہ ہے دنیا میں معینؔ ایسا بھی
بند ہوتا ہے تو کچھ اور کھلا ہوتا ہے

....

خوابوں میں بن رہا ہے اک گھر تمھاری خاطر
سوچا ہے نام اس کا بیتُ الغزَل رکھیں گے

....

ہم ان بتوں سے آخر کیا کیا امیدیں باندھیں
ہر روز ہی یہاں تو یومِ نہیں نہیں ہے

....

اقبال کے اشعار پہ سب کا ہے اجارہ
اقبال کے افکار سے پرہیز ہے سب کو

....

ہم خود ہی رُکے ہوئے ہیں ہیں خود میں
خالی تھا بہت مکاں ہمارا

....

دھڑکن کو چاہیے کہ دبے پاؤں ہی چلے
ورنہ تو کیا بنے گا مرے ارتکاز کا

....

معارف کا بیاں ہم اہلِ غفلت خوب کرتے ہیں
رِجالُ العیب سے سُنیے رِجالُ الغَیب کی باتیں

....

مرے صحیفۂ سودا میں کچھ نہ تھا ورنہ
زبان اپنے معانی کو عاق کر دیتی

....

جتنے مکیں تھے جا چکے، جتنے مکاں تھے ڈھہ گئے
اب دل ہے بے نام و نشاں اللہ بس باقی ہوس

....

میں بھی اس چاند کی تلاش میں ہوں
خود شبِ قدر ڈھونڈتی ہے جسے

....

اک خواب کے چمن کے کنارے پہ رات بھر
دل دیکھتا رہا ہے سفید و سیاہ کو

....

خدا کا شکر ہے، سارے ہیں باہر
کوئی دوزخ مرے اندر نہیں ہے

....

ہمیں ادب یہ سکھایا ہمارے آبا نے
فراعنہ سے رعونت کے ساتھ ملتے ہیں

....

سینے میں عمر بھر کوئی بھگدڑ مچی رہی
جیسے اسیر آئے ہوں بازارِ شام میں

....

ایک دن ہر کسی کو جانا ہے
جانے والا درست کہتا تھا

....

سینے میں ابھی جگہ بہت ہے
اے بوجھ، ذرا زیادہ ہو جا

....

ہر دور ہی دورِ پُر فتن ہے
تاریخ کی ہے یہی گواہی

....

گِر گیا وہ ستون بھی دل کا
باپ دادا کی اک نشانی تھی

....

دل نے اکیّسویں صدی میں بھی
کبھی حدِّ ادب نہیں توڑی

....

کبھی پُتلی سے پوچھیے کہ اُسے
یہ تماشا پسند ہے کہ نہیں

....

مجھے دو تین دن میں علم ہُوا
کہ وہ ذرّہ نہیں، بگولا تھا

....

سانس رُکتا ہُوا سا لگتا ہے
آپ پر چھپکلی گری ہے کبھی

....

ہم نے پیشہ وروں کے در پہ کبھی
التماسِ دعاے خیر نہ کی

....

کچھ حوالے مرا تشخّص ہیں
نسبتوں سے ہی میری نسبت ہے

....

پلکوں نے چُنے ہیں دل کی تہ سے
کیکر کے درخت کے فوائد

....

وقت نے کوئی زخم بھی نہ بھرا
وہ کہاوت بھی جھوٹ ہی نکلی

....

رہ گئی یہ نماز بھی ناقص
سجدۂ سہو مجھ کو بھول گیا

....

اے صبح، نہ ہو، کہ آج منظر
دیکھا نہیں جا سکے گا تم سے

....

مدحِ آلِ رسول میں میری
شعر گوئی دُرود خوانی ہے

....

جس کا مرہم کوئی بنا ہی نہیں
شبِ عاشور وہ جراحت ہے

....

جب تعارف انھوں نے کروایا
ہم نے پہچان کر ہی قتل کیا

....

اے رات، ٹھہر، اک اور سجدہ
اے ریت، سنبھل، اک اور آنسو

....

لوگ بغلیں بجاتے پھرتے تھے
قافلہ آ گیا تھا مقتل میں

....

اک رات گزار آئے دل بھی
دریائے فرات کے کنارے

....

ایک تنہائی تھی سو وہ بھی گئی
اب مرے پاس کچھ نہیں باقی

....

پھول دو چار دن کے مہماں ہیں
اور ادھر آپ ہیں بہت مصروف

....

سخت بیزار ہو گیا خود سے
خود کو دُہرا لیا بہت مَیں نے

....

بے دلی سے جو ہم نے مانگی ہے
یہ دعا بے اثر نہیں رہے گی

....

ہم کچھ نہ کہیں تو اس کا مطلب
قطعاً یہ نہیں کہ کچھ نہیں ہے

....

آپ تو شِیر خوار بچّے ہیں
یہ مَداری بہت پرانا ہے

....

مرے ایمان کی حالت وہی ہے
کہ جو مشکیزۂ عبّاس کی تھی

....

ہم حقِّ انحراف ادا کر نہیں سکے
توہینِ انحراف مگر بار بار کی

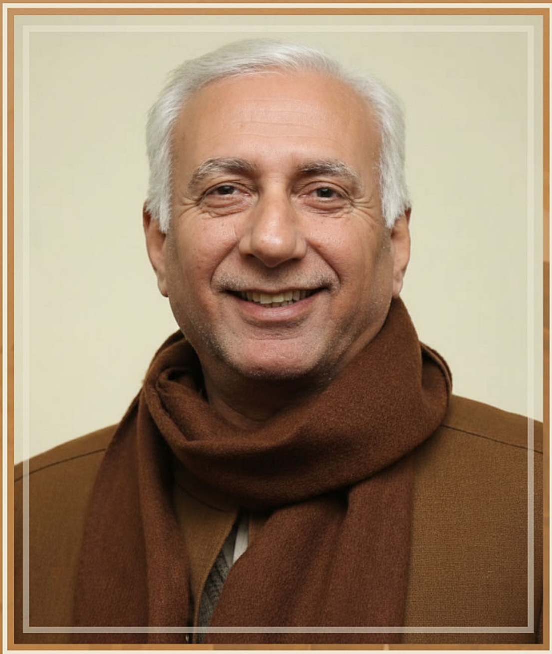
....

کیوں نہ دیکھ آئیں اک نظر اس کو
ابھی حدِّ نگاہ صفْر نہیں

....

مستقل اور اتنی برجستہ
یہ خداداد بدحواسی ہے

....



اے طائرانِ بالِ بُریدہ، اِدھر ہُوں میں
میرا ہی دل تمھارا نیا آشیانہ ہے

مخدوم امیر جان لائبریری نرالی